خوشی محمد ناظرؔ کی شاعری

ڈاکٹر رضیہ مجید، اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہء اُردو جی سی یونیورسٹی لاہور

Abstract

Khushi Muhammad Naazir, Poet of Kashmir, was born in Hariawala District Gujrat of Punjab. After completing his education from Aligarh , he joined the civil service of the State of Kashmir in British colonial days. At last he was the Governor of Kashmir. Naazir was a distinguished poet and humanitarian. He was greatly influenced by the beauty of nature. Naghma e Firdous is an excellent Collection of his poetry. He introduced a unique style in Urdu classical, religious and social poetry. Naazir is commonly known for his poem Jogi. In this poem, Naazir's national, social and even religious thoughts are expressed. Later on, he became more if a separatist which is reflected in his later poetry.

خوشی محمد ناظرؔ ۱۸۶۹ء میں موضع ہریا والا ضلع گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ چک جھمرہ ضلع لائل پور میں گزارا۔ وہ علیگ تھے۔ انھوں نے ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ کالج سے بی۔ اے پاس کیا۔ ان کی قومی شاعری کا آغاز بھی علی گڑھ ہی سے ہوا۔(۱)

ان کا مجموعۂ شاعری نغمۂ فردوس کے نام سے شائع ہوا۔ عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب چند یادیں چند تاثرات میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔علی گڑھ گئے تو سرسید زندہ تھے جن کے دم قدم سے علی گڑھ اِسلامیان ہند کے منتخب ترین بزرگوں کا مرکز بن گیا تھا۔ چودھری صاحب نے سب کو دیکھا اور کسب فیض بھی کیا۔ مولانا شبلی اور سرٹامس آرنلڈ تو کالج میں پڑھاتے تھے اور چودھری صاحب کے استاد بھی تھے۔ مولانا حالیؔ، ڈپٹی نذیر احمد، سید محمود، منشی ذکاء اللہ وغیرہ اکثر تشریف لاتے تھے۔ فنِ شعر میں چودھری صاحب کو خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے تلمذ تھا اور انہی کے زیرِ اثر ان کا رجحان قومی شاعری کی طرف ہوا۔"(۲)

خوشی محمد ناظرؔ کی خط و کتابت اُن تمام مسلمان اکابر سے رہتی تھی جنھوں نے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح و بقا کی مساعی میں سرگرم حصہ لیا تھا۔(۳) غزل گوئی کی طرف ان کا طبعی میلان نہ تھا البتہ نظم نگاری سے رغبت تھی جس کے ذریعے انھوں نے زیادہ تر تحریکِ علی گڑھ کا پرچار کیا۔ آرنلڈ کی نیچرل شاعری کی ترغیب و تربیت کے لیے دو سال انعامی نظم کا اعلان ہونے پر ناظرؔ ''اخوت'' اور ''چہار موسم''، نظمیں لکھ کر دونوں سالوں کے انعام کے مستحق پائے۔ انھوں نے زمانہ طالب علمی میں کالج یونین کلب اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے لیے بھی بہت سی نظمیں لکھیں۔ ایک طویل عرصے تک کشمیر کے گورنر و منسٹر رہے۔ قیامِ کشمیر کے دوران ذوقِ شاعری کی تسکین کے لیے ناظرؔ نے ''انجمنِ مُفرّحُ القلُوب'' کے نام سے چند ادب دوست احباب کی ایک محدود انجمن بنا رکھی تھی۔ ناظرؔ کی زیادہ تر مقبول نظمیں اسی دور کی یادگار ہیں۔(۴) کشمیر ہی میں قیام کے زمانے میں ان کی شاعری کی مقبولیت کا یہ عالم رہا کہ انھیں شاعرِ کشمیر کہا جانے لگا۔ ان کی قومی و ملی شاعری کی تشہیر میں ان کے اعلیٰ عہدے کا بھی بڑا دخل رہا۔ اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کی بات پر زیادہ دھیان دیا جاتا۔ ''جوگی'' ان کی سب سے مقبول نظم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قبولِ عام حاصل کرنے میں ''مسدس حالی''، اقبال کا ''شکوہ'' اور خوشی محمد ناظرؔ کی ''جوگی'' کم و بیش برابر تھے۔(۵) نظم ''جوگی'' میں اگرچہ وحدت کے گیت گائے ہیں اور ہندو مسلم اتفاق کی باتیں کی ہیں مگر ہند کی دگرگوں منتشر حالات کا پُر تاثیر بیان ہے۔ ان کا شکوہ اور مرض کی تشخیص بہت خوب ہے۔ انھوں نے ملّت کا علاج بھی عصری تقاضوں کے مطابق تجویز کیا ہے۔ نظم ''جوگی'' دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل 'نغمۂ حقیقت' ہے جو ۱۹۰۳ء میں لکھا گیا۔ حصۂ دوم 'ترانۂ وحدت' ہے جو پہلے حصے کی تخلیق کے کئی برس بعد ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا۔ گویا اس نظم کے تاثر کی تکمیل خوشی محمد ناظرؔ کی زندگی کے کئی سالہ تجربات کا نچوڑ ہے۔ یہ نظم اپنی بے ساختگی و روانی، نغمگی و ترنم اور موضوع کی مطابقت سے زبان کے انتخاب کی وجہ سے لاجواب ہے۔ پہلے حصے میں شاعر نے مناظرِ فطرت کی روح پرور پیش کش کے بعد کہسارِ کشمیر میں ایک دنیا دار کی جوگی کے ساتھ ملاقات کا منظر کھینچا ہے۔ شاعر جوگی کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بن چھوڑ کر شہر میں آئے اور لوگوں کو معرفت کا درس دے، مگر جوگی معاشرتی زندگی کے منفی پہلوؤں کی نشان دہی کر کے شاعر سے معذرت خواہ ہوتا ہے۔ شہروں میں حرص و ہوس، بے حسی و خود غرضی اور مادہ پرستی کے مقابلے میں جوگی کو اپنا طرزِ زندگی ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ نظم کے دوسرا حصہ نتیجہ خیز ہے۔ زندگی کے کئی ماہ و سال شہری زندگی کی منفی فضا کی نذر کرنے کے بعد جب شاعر کو سکون میسر نہیں ہوتا تو وہ جوگی کی تلاش میں کہسارِ کشمیر کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اس ملاقات میں دونوں کے درمیان اس عہد کی ہندوستانی معاشرت، مذہب اور سیاست کے کئی پہلوؤں پر بات چیت ہوتی ہے۔

فلسفے کی وادیوں میں کر تلاش اقبالؔ کی
ناظرؔ گم گشتہ کو قدرت کے نظاروں میں دیکھ

خوشی محمد ناظر کے اس شعر سے ان کا قدرت کے نظاروں کی دل کشی اور خوبصورتی کی طرف میلان ظاہر

ہوتا ہے۔اسی میلان کا واضح اظہار ان کی سب سے زیادہ مقبول نظم جوگی میں جا بجا ہوتا ہے۔منظر کشی کے حوالے سے یہ نظم اپنی نظیر نہیں رکھتی۔کسی پنجابی کی زبان میں وادیٔ کشمیر کی خوب صورتی کا اتنا دل کش بیان قاری کو چونکا دیتا ہے۔ نظم کے ابتدائی اشعار کچھ اس طرح ہیں:

کل صبح کے مطلعٔ تاباں سے جب عالم بُقعۂ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے ، خورشید کا نور ظہور ہوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی ، جانانہ ادائے گلبن تھی
ہر وادی وادیٔ ایمن تھی ، ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہوا
جب باد صبا مضراب بنی ، ہر شاخِ نہال رباب بنی
شمشاد و چنار ستار ہوئے ، ہر سرو و سمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے ، مستانہ وہ تانیں اڑانے لگے
اشجار بھی وجد میں آنے لگے ، گلزار بھی بزمِ سرور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ نشاط سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرشِ سنجاب و سمور ہوا
تھا دل کش منظرِ باغِ جہاں اور چال صبا کی مستانہ
اس حال میں اک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ

اور پہاڑی پر جو دیکھا اس کا بیانیہ قابلِ تحسین ہے:

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے، پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے ، کہرے نے قناعت لگائی تھی
یاں برف کے تودے گلتے تھے ، چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اگلتے تھے ، نالوں نے دھوم مچائی تھی

جوگی کی حالت کو بھی اس سادہ اور فصیح زبان میں بیان کیا ہے کہ قاری ان کے ذوق کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔جوگی کا حلیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اک مست قلندر جوگی نے پربت پر ڈیرہ ڈالا تھا
تھی راکھ جٹا میں جوگی کی اور انگ بھبھوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیرہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خدا سے بیگانہ ، وہ مست قلندر دیوانہ

بیٹھا تھا جوگی مستانہ ، آنکھوں میں مستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر ہم نے سلام کیا
تیکھے چتون سے جوگی نے تب ناظر سے یہ کلام کیا

نظم کا مکالمہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ ناظر اپنا مدعا بیان کرنے میں مکمل طور پر کامیاب رہے ہیں۔شاعر اور جوگی کے درمیان ہونے والے مکالمے میں اہلِ ہند کی معاشرتی اور روحانی زبوں حالی کو موضوع بنا کر بے عمل ہم وطنوں کے سامنے آنے والے وقتوں کی مزید تباہی کا منظر پیش کر کے ان میں جذبہ عمل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔شاعر کا کردار کہتا ہے:

کل رشکِ چمن تھی خاک وطن ، ہے آج وہ دشتِ بلا جوگی!
وہ رشتۂ اُلفت ٹوٹ گیا ، کوئی تسمہ لگا نہ رہا جوگی!
برباد بہت سے گھرانے ہوئے ، آباد وہ بندی خانے ہوئے
شہروں میں ہے شور بپا جوگی! گاؤں میں ہے آہ و بکا جوگی!
وہ جوشِ جنوں کے زور ہوئے ، انسان بھی ڈنگر ڈھور ہوئے
بچوں کا ہے قتل روا جوگی! بوڑھوں کا ہے خون ہبا جوگی!
یہ مسجد میں اور مندر میں ہر روز تنازعہ کیسا ہے
پرمیشر ہے جو ہندو کا ، مسلم کا وہی ہے خدا جوگی!
کاشی کا وہ چاہنے والا ہے ، یہ مکے کا متوالا ہے
چھاتی سے تو بھارت ماتا کی دونوں نے ہے دودھ پیا جوگی!
اس دیس میں ایسی پھوٹ پڑی ، پھر قہر کی بجلی ٹوٹ پڑی
روٹھے متروں کو منا جوگی! بچھڑے بیروں کو ملا جوگی!
پربت کے سوکھے روکھوں کو نہ پریم کے گیت سنا جوگی!
یہ مست ترانہ وحدت کا چل دیس کی دھن میں گا جوگی!

جوگی جو شاعر سے زیادہ دور اندیش ہے نہ صرف حالات سے باخبر ہے بلکہ ایک گہری تجزیاتی نظر کا بھی حامل ہونے کے ناتے انگریزوں کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی حکمتِ عملی کے ساتھ ہند کے رہنماؤں کی بے عملی اور قوم سے بددیانتی کا بھی شعور رکھتا ہے۔جب شاعر رودادِ وطن کا افسانہ جوگی کو سناتا ہے، وہ ٹھنڈی آہ بھر کر شاعر کو کچھ یوں جواب دیتا ہے:

بابا! ہم جوگی بن باسی جنگل کے رہنے والے ہیں
اس بن میں ڈیرے ڈالے ہیں جب تک یہ بن ہریالے ہیں

ہے دیس میں شور پکار بہت اور جھوٹ کا ہے پرچار بہت
واں راہ دکھانے والے بھی ، بے راہ چلانے والے ہیں
کچھ لالچ لوبھ کے بندے ہیں ، کچھ مکر فریب کے پھندے ہیں
مورکھ کو پھنسانے والے ہیں ، یہ سب مکڑی کے جالے ہیں
جو دیس میں آگ لگاتے ہیں اور اس پر تیل گراتے ہیں
یہ سب دوزخ کا ایندھن ہیں اور نرک کے سب یہ نوالے ہیں
جو خون خرابا کرتے ہیں ، آپس میں کٹ کٹ مرتے ہیں
یہ بیر بہادر بھارت کو غیروں سے چھڑانے والے ہیں؟
آکاش کے نیلے گنبد سے یہ گونج سنائی دیتی ہے
اپنوں کے مٹانے والوں کو کل غیر مٹانے والے ہیں
ناظرؔ! یہیں تم بھی آبیٹھو اور بن میں دُھونی رما بیٹھو
شہروں میں گرو پھر چیلوں کو کوئی ناچ نچانے والے ہیں

اس نظم کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خوشی محمد ناظر بہرحال بھارت ماتا کی شکتی اور شانتی کی بنیاد دین دھرم ہی پر رکھتے ہیں۔ وہ مغربی فکر و فلسفہ کے زیرِ اثر در آنے والے دین اور سیاست میں علیحدگی کے فلسفہ کو نہیں مانتے یا پھر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں دین کی دخل در معقولات کے منکر نہیں ہیں۔ اسی لیے وہ جوگی کی زبان سے کہلواتے ہیں:

جو دھرم کی جڑ کو کھودیں گے ، بھارت کی ناؤ ڈبو دیں گے
یہ دیس کو ڈسنے والے ہیں جو سانپ بغل میں پالے ہیں

نظم ''جوگی'' میں ناظر کی طرف سے بیرونی دشمن سے مقابلے کے لیے ہندو مسلم اتحاد کو ناگزیر جانتے ہوئے وحدت کے گیت گائے گئے ہیں۔ یہ اُس وقت دامِ تحریر میں آئی جب ہند کی سیاست میں علیحدگی پسندی واضح شکل اختیار نہ کر سکی تھی۔ زمانے کی رفتار مختلف حوادث کی نمو کرتے ہوئے ہندو مسلم علیحدگی پسندی کو ہوا دیتی گئی۔ مغربی جمہوریت کے غلغلے میں برِعظیم کی ملّتِ اِسلامیہ کا ایک ہم ملکی طاقت کے غلام ہونے کا خیال، قوم پرست مسلم شعرا کی فکرِ سخن پر تازیانے کا کام دے گیا۔ اب شاعری میں ملّی عناصر واضح ہوتے گئے۔ خوشی محمد ناظرؔ نے بھی اِس خطرے کو محسوس کیا اور ان کی شاعری میں ملّی عناصر کا ظہور ہونے لگا۔ نغمۂ فردوس میں ''افکارِ ملّی'' کے عنوان سے ایک گوشہ انھیں خیالات کو پیش کرتا ہے۔ انجمنِ حمایتِ اِسلام کے پلیٹ فارم پر اِسلام کی موجودہ حالت پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے ناظر لکھتے ہیں:

جہاں جلوے نئے دکھلا رہا ہے وہ فرشِ پاستاں اُٹھوا رہا ہے

جہاں ابرِ کرم تھا کل گہر ریز　　وہاں اولے فلک برسا رہا ہے
نشانِ کارواں ملتا نہیں ہے　　حدی خواں دشت میں چلّا رہا ہے
تھی جس کی چاندنی دشت و جبل پر　　وہ چاند اِسلام کا گہنا رہا ہے
تیری اُمّت میں اَے مہرِ رسالت!　　غبارِ یاس ہر سُو چھا رہا ہے
ہوئی برہم وہ سب محفل پُرانی　　رہی اقبالِ رفتہ کی کہانی
بنی عبّاس پر ہے دجلہ نالاں　　سر شکِ خوں بنا دریا کا پانی
مٹا نام و نشانِ قصرِ حمرا　　جو مغرب میں تھی مشرق کی کہانی
ہوئی وہ حشمتِ مغلی فسانہ　　کہانی ہے وہ فرِّ ترکمانی
گئی وہ آب و تابِ بزمِ اکبر　　مٹے نقش و نگارِ شہ جہانی
چمن میں اب نہ پتّا ہے نہ ڈالی　　مٹے یکساں ادانی و اعالی
نہ علم و فضل ہے نہ جاہ و حشمت　　ہوئے ہیں مسجد و مے خانہ خالی

اپریل ۱۹۳۴ء میں انجمنِ حمایتِ اِسلام کے سالانہ جلسے میں پڑھی گئی نظم ''خواتین سے خطاب'' میں خوشی محمد ناظر مسلمانوں کو دین کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں:

سینہ رشکِ طُور ہو، دل میں خدا کا نور ہو　　گو ہوائے دہر ایماں سوز اور ناری رہے
دل میں حُبُّ اللہ ہو، عشقِ رسولُ اللہ ہو　　دیں کی بھی دُنیا کے خاکستر میں چنگاری رہے
قوتِ ایماں سے ہے رُوح و روانِ زندگی　　ورنہ ہے گُم کردہ رہ یہ کاروانِ زندگی

ماضی کے شاہی خاندان تغلق کے ساقی گری کرتے ایک فرزند مبازرخان سے ناظر کی چاندنی چوک میں ملاقات ہوئی۔ وہ لوگوں کو حقّہ گرم کر کے پلانے کا کام کرتا تھا۔ اس سے حقّہ پی کر ناظر میں بیدار ہونے والا فخرِ اسلاف اور دردِ اخلاف ان کی نظم ''تصویرِ عبرت'' کا محرک بنا۔ ناظر نے ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد کا زمانہ قومی، ملّی اور ادبی خدمات میں صرف کر دیا۔ ملّی شاعری میں مولانا حالؔی کی فخریہ خدمات کے سبب اِن سے خوب متاثر تھے۔ نظم ''سرودِ اَفلاک'' میں حالؔی کو یہ کارنامہ سرانجام دینے پر خراجِ تحسین پیش کرنے کے ساتھ پیرویٔ حالی کا اعتراف بھی کرتے ہیں:

وہ میرے استادِ ذوالمعالی، لسانِ اِسلام خواجہ حالؔی
بتوں کی اُلفت چھڑانے والے وہ قوم سے لَو لگانے والے
ادیبِ ملّت، خطیبِ ملّت، حبیبِ ملّت، طبیبِ ملّت
زبانِ معجز بیاں کا اپنی جہاں میں سکّہ بٹھانے والے

حالؔی کی پیروی کے اثرات ناظر کی شاعری میں جا بجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے مجموعے میں

''پیامِ حالی''(۱۹۳۶ء) کے عنوان سے''مسدسِ حالی'' کی طرز پر ایک نظم موجود ہے، جس میں وہی ہیئت، وہی بحر اور وہی موضوعات اپنائے گئے ہیں۔اسی مسدس میں ایک بند مثمن کی ہیئت میں بھی ہے جو اشعار کی تعداد کے علاوہ موضوع کے اعتبار سے بھی''مسدس حالی'' پر مستزاد ہے۔جس میں بیسوی صدی میں سر اُٹھانے والے مسائل پر قلم فرسائی کی گئی ہے:

اِلکشن کی اُتری جو نیلم پری ہے　　کرشموں میں کافر کے جادو گری ہے
مغل، شیخ، افغاں ہے یا چودھری ہے　　پلیڈر ہے لیڈر ہے یا مولوی ہے
ہر اِک حبِ اِسلام کا مُدّعی ہے　　زبانوں پہ تکبیر و نعتِ نبیؐ ہے
مگر دِل سے ہیں سب اِلکشن کے بندے
الکشن کے جال اور الکشن کے پھندے

قیامِ پاکستان کے بعد جب حقیقی رہ نما نہ رہے تو ان دو غلے رہ نماؤں کا ملکی سیاست پر قبضہ ہو گیا جو نظریۂ پاکستان کی تکمیل کی راہ میں حائل ہوا۔ان رہ نمایانِ قوم نے مسلم معاشرے کے تشخّص کی ہر علامت کو نظر انداز کیا۔ اُردو کو سرکاری زبان نہ ہونے دیا۔ملکی آئین برائے نام ہی اِسلامی رہا۔عدلیہ انگریزی قانون کی پابند رہی اور روحِ اِسلام کو ریاست کے کسی ستون میں بھی نہیں دیکھا جا سکا۔

خوشی محمد ناظر حقوقِ نسواں کے بھی حامی تھے اور عورت کو معاشرے میں صحیح مقام دلانے کے لیے کوشاں رہے۔وہ یہ بھی شعور رکھتے تھے کہ عورت کی ترقی معاشرے کی ترقی کے لیے ناگزیر ہے:

ہم دمو! حوّا کی بیٹی شجرۂ امید ہے　　اور نسلِ ابنِ آدم اس کا برگ و بار ہے
نصف بہتر جسمِ مسلم کا اگر مفلوج ہے　　بالیقیں جانو کہ جسمِ قوم سب بے کار ہے

ناظر اپنی شاعری میں مسلمان کو بیدار کرتے ہیں اور اسے حرکت و عمل کا درس دیتے ہیں:

پھر اَے مسلمِ خفتہ بیدار ہو جا　　پھر اے مستِ غفلت تو ہُشیار ہو جا
تُو اے غنچۂ گل زارِ توحید بن جا　　تو اے ذرّہ پیغامِ خورشید بن جا
یہ سینہ پھر آئینۂ طور کر دے　　یہ ظلمت کدہ دل کا پُر نُور کر دے
اگر دل کو ایماں سے معمور کر دے　　تو مسلم زمانہ کو مسحور کر دے
مسلماں کا گر کشتِ ایماں وہی ہے　　تو پھر رحمتِ حق کا نیساں وہی ہے
جنوں کا اگر سازو ساماں وہی ہے　　وہی نجد و خارِ مغیلاں وہی ہے

اُردو شاعری میں استغاثے کی روایت کا آغاز مولانا حالی سے ہوا اور پھر بعد کے تقریباً ہر شاعر کی شاعری میں یہ وصف نظر آتا ہے۔ناظر بھی اس انداز کو اپناتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ وقتِ مدد اے شہِ دو جہاں ہے　　کہ پھر قافلہ سوئے منزل چلا ہے

زمیں سخت نا مہرباں آسماں ہے سموم وزاں ہے تو ریگ تپاں ہے
نہ دولت نہ حشمت نہ جام و سبو ہے اب اس اجڑی بستی میں بس تو ہی تو ہے
ترے نام سے لو لگائے ہوئے ہیں جبیں تیرے در پر جھکائے ہوئے ہیں
شکستہ دلوں کو یہی ہے سہارا کہ تو ہے ہمارا تو سب کچھ ہمارا
ذرا رُخ سے کملی کا پردہ اُٹھا دے وہ عالم کو شانِ جمالی دکھا دے
صدا پھر وہ کوہِ صفا کی سنا دے کہ سوتوں کو خوابِ گراں سے جگا دے
وہی سر کو مسلم کے سودا عطا کر وہ دیوانے کو اپنے صحرا عطا کر
وہ جام اس کو ساقیِ کوثر عطا ہو کہ رگ رگ میں غیرت کا طوفاں بپا ہو
وہ آئینۂ دل کو اس کے جِلا دے کہ ہستی کے سب نقشِ باطل مٹا دے

انھوں نے ''یادِ رفتگاں'' کے سلسلے میں مختلف شخصیات کے مرثیے لکھے، جن میں زیادہ تر وہ اشخاص شامل ہیں جو قومی اور ملّی حوالہ رکھتے ہیں۔ ان میں سرسید احمد خاں، نواب محسن الملک، خان بہادر محمد برکت علی خاں، صاحب زادہ آفتاب احمد خان، خان بہادر میاں سر فضل حسین، سر سید راس مسعود وغیرہ سب علی گڑھ تحریک سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات تھیں۔ ناظر کی قومی اور ملّی انجمنوں کے جلسوں خصوصاً انجمنِ حمایت اسلام اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں پڑھی گئی نظمیں ملی نقطہ نظر سے اہم ہیں۔ وفات سرسید کے بعد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بارھویں اجلاس منعقدہ لاہور دسمبر ۱۹۹۸ء میں ناظر نے نظم ''پیامِ دوست'' پڑھی۔ ناظر مذکورہ بالا نظم میں اپنی قوم کو سرسید کے شروع کیے گئے نہال کو تن آور درخت بنانے کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس نظم میں رفقائے سرسید سے قومی خدمت میں مزید سرگرم ہونے کی درخواست کی گئی ہے۔ نظم کے آخری شعر میں اس پنجابی نے پنجاب کی سرزمین پر کھڑے ہو کر یہ پیشین گوئی دی کہ آگے چل کر یہ دھرتی تحریکِ ملّی کی پرداخت کے لیے سپوت پیدا کرے گی:

سوکھی کھیتی کو دے گا پانی
پنجاب سے آبِ زندگانی (۶)

وقت کی رفتار دیکھی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ بیسویں صدی میں انگریزی حکومت کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دینے والی تحریکوں کو ہوا دینے والے بیش تر شاعر مثلاً غلام بھیک نیرنگ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری اور آغا شورش کاشمیری وغیرہ اسی سرزمینِ پنجاب سے ہیں۔ خوشی محمد ناظر خود بھی ملی شاعری کی تحریک میں پنجاب کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ گویا خوشی محمد ناظر صوبہ پنجاب میں علی گڑھ تحریک کے نمائندے تھے اور ملّی شاعری کی تحریک میں پنجاب کے نمائندے تھے۔

حواشی:

۱۔ خوشی محمد ناظر،نغمۂ فردوس (حصہ اوّل)،(لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۳۷ء،) دیباچہ ص ۱۰
۲۔ عاشق حسین بٹالوی، چند یادیں چند تاثرات، ج ۲،(لاہور: واجد علیز، ۱۹۸۵ء) ص ۵۴، ۵۵
۳۔ ایضاً ص ۵۸
۴۔ خوشی محمد ناظر،نغمۂ فردوس (حصہ اوّل)، دیباچہ ص ۱۱، ۱۲
۵۔ عاشق حسین بٹالوی، چند یادیں چند تاثرات، ج ۲ ص ۵۷
۶۔ الطاف علی بریلوی، سید محمد ایوب قادری (مرتبین)۔ علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں، (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۷۰ء) ص ۱۸۱

مآخذ:

۱۔ الطاف علی بریلوی، سید محمد ایوب قادری (مرتبین)۔ علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں، کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۷۰ء۔
۲۔ بٹالوی، عاشق حسین: چند یادیں چند تاثرات، (ج ۲) لاہور: واجد علیز، ۱۹۸۵ء۔
۳۔ ناظر، خوشی محمد: نغمۂ فردوس (حصہ اوّل)، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۳۷ء۔
۴۔ ناظر، خوشی محمد: نغمۂ فردوس (حصہ دوم)، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۳۷ء۔

☆☆☆☆☆